فقر و فاقہ اور اُس کا اسلامی حل !

(۹)

یوُسف القرضاوی

ترجمہ : عبدالحمید صدیقی

مستحقین زکوٰۃ کون کون ہیں قرآنِ مجید میں زکوٰۃ کی آمدنی کے ذرائع کی نسبت اس کے مصارف کو زیادہ قابلِ اعتناء سمجھا گیا ہے۔ کیونکہ مختلف وسائل سے اموال کا جمع کرنا اصحابِ اقتدار کے لیے آسان ہوتا ہے۔ مگر درحقیقت جو بات مشکل ہوتی ہے وہ یہ کہ اُن کو صحیح مصارف میں صرف کیا جائے اور انہی لوگوں پر خرچ کیا جائے جو فی الحقیقت ان کے مستحق ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنِ مجید نے زکوٰۃ کے مصارف کے تعیّن کو کسی حاکم کی رائے اور خواہش پر نہیں چھوڑا ہے، نہ کسی لالچی کے لالچ پر چھوڑا ہے جو یہ چاہتا ہو کہ باطل طریقے سے زکوٰۃ کے مستحقین کو اس سے محروم کر دے۔ قرآن مجید نے یہ سب کچھ واضح کر دیا ہے کہ کن کن اشخاص اور کون کونسی جگہوں پر زکوٰۃ صرف کی جا سکتی ہے اور ان منافقین کو صاف صاف جواب دیا ہے، جن کی رال زکوٰۃ کا مال دیکھ دیکھ کر ٹپکی پڑتی تھی اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو طعنہ دیتے تھے کہ آپ نے انہیں نظر انداز کر دیا ہے اور اُن کی گوناگوں خواہشات کو پورا نہیں کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَمِنْهُمْ مَنْ يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا وَإِنْ لَمْ يُعْطَوْا مِنْهَا إِذَا هُمْ يَسْخَطُونَ ۔ (التوبہ - ۵۸)

اور بعض اُن میں سے وہ ہیں جو الزام دھرتے ہیں آپ پر صدقات کے معاملہ میں۔ اگر اُن کو بھی دیا جائے اس میں سے تو خوش ہو جاتے ہیں، اور اگر نہ دیا جائے ان کو اس میں سے تو اُسی وقت ناراض ہو جاتے ہیں۔

اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ

صدقات تو بس فقیروں اور مسکینوں اور عاملین کے

الْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ، فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ۔

(توبہ - ۶۰)

لیے ہیں جو ان صدقات پر مقرر ہیں اور اُن کے لیے ہیں جن کے دلوں میں اُلفت ڈالنی ہے اور گردنوں کے چھڑانے اور قرضداروں کے قرضہ اور اللہ کی راہ میں اور مسافر کے زادِ راہ میں (خرچ ہونے چاہییں) فرض ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

سُنَنِ ابی داؤد کی روایت ہے کہ ایک آدمی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا مجھے صدقات میں سے کچھ دیجیے۔ آپؐ نے اس سے فرمایا "بے شک اللہ تعالیٰ نے صدقے کے بارے میں کسی نبی یا کسی اور کا کوئی حکم سپنے کو پسند نہیں کیا بلکہ وہ خود اس کے بارے میں حاکمانہ اختیارات رکھتا ہے چنانچہ اُس نے صدقات کے مصارف کو آٹھ حصّوں میں تقسیم کیا ہے۔ اگر تم بھی ان حصّوں میں سے ہو تو میں تمہیں تمہارا حق دے دیتا"۔

زکوٰۃ و صدقات کے ان ہشت گانہ مصارف میں سے ہمارا موضوعِ بحث فقراء و مساکین ہیں۔ یہ دونوں ان مصارف میں سے پہلا مصرف ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کا مستحق قرار دیا ہے۔ فقیر اور مسکین کے معنی و مفہوم اور ان کے باہمی فرق کو متعین کرنے میں اور اس بات میں کہ ان دونوں میں سے کون زیادہ بدحال ہے، فقہاء و مفسّرین میں اختلاف پایا جاتا ہے لیکن یہ اختلاف زکوٰۃ کے باب میں کوئی اہمیت نہیں رکھتا، کیونکہ اس بات پر سب علمائے اُمّت متفق ہیں کہ یہ دونوں (فقیر اور مسکین) ایک ہی گروہ کی دو قسمیں ہیں اور وہ ہے اہلِ ضرورت اور صاحبِ احتیاج افراد کا گروہ۔ تاہم فقیر اُس محتاج کو کہتے ہیں جو لوگوں سے سوال نہیں کرتا اور مسکین وہ ہے جو لوگوں کے پاس جا جا کر اُن سے کچھ مانگتا ہے۔ اور جمہور فقہاء کی رائے یہ ہے کہ فقیر مسکین کی نسبت زیادہ بدحال ہوتا ہے۔ بعض فقہاء نے فقیر اور مسکین کی حدبندی یُوں کی ہے کہ فقیر وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو یا اگر ہو تو وہ اس کی اپنی اور اس کے کنبہ کی ضرورت سے آدھا ہو اور مسکین وہ ہے جس کے پاس اپنی ضرورت سے آدھا یا اس سے کچھ زیادہ ہو مگر اتنا نہ ہو کہ اس کی

ضرورت کو پورا کر سکے۔

خود دار اور چھپے محتاج زکوٰۃ کے زیادہ حقدار ہیں اسلامی تعلیمات کے غلط طور پر پیش کیے جانے اور اُن کی غلط تعبیر و تطبیق کی وجہ سے ہو سکتا ہے اکثر لوگوں کا یہ خیال ہو کہ فقراء و مساکین جو زکوٰۃ کے مستحق ہیں وُہ یہ بیکار رہنے والے اور بھیک مانگنے والے ہیں جنہوں نے بھیک مانگنے کو پیشے کے طور پر اختیار کر رکھا ہے اور بظاہر فقر و مسکنت کا رُوپ دھارے ہوئے ہیں۔ مسجدوں کے دروازوں پر، بازاروں میں اور اُن جگہوں پر جہاں لوگ جمع ہوں، سب آنے جانے والوں کے آگے ہاتھ پھیلاتے پھرتے ہیں۔ غالباً مسکین کی یہ تصویر اکثر لوگوں کے ذہنوں میں زمانہ قدیم سے چلی آرہی ہے حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے زمانے میں بھی لوگ فقراء و مساکین سے مراد ایسے ہی لوگ لیا کرتے تھے۔ چنانچہ آپؐ لوگوں کو بتاتے رہتے تھے کہ فلاں فلاں افراد حقیقی طور پر ضرورتمند ہیں جو بجا طور پر معاشرے سے اعانت کا استحقاق رکھتے ہیں اگرچہ اکثر لوگ انہیں پہچانتے نہیں ہوتے تھے۔ حضور علیہ السّلام کا ارشادِ گرامی ہے کہ مسکین وہ نہیں جسے ایک کھجور یا دو کھجوریں اور ایک لقمہ یا دو لقمے دے دیئے جائیں تو وہ چلتا بنے بلکہ مسکین تو وہ ہے جو خود دار ہو اور تم چاہو تو کہہ لو، کہ لوگوں کے پیچھے پڑ کر نہ مانگتا ہو۔

یہ وصف اُن مہاجرین فقراء کا تھا جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم ہی کے ہو کر رہ گئے تھے اور اُن کے پاس نہ تو اتنا مال تھا اور نہ کوئی کاروبار کہ اُن کی ضرورتیں پوری ہوں اور وہ دوسروں کے محتاج نہ رہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کا یہ وصف اور شان بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ، تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا۔

(البقرہ: ۲۷۳)

خاص طور پر صدقات کے مستحق وہ تنگ دست لوگ ہیں جو اللہ کے کام میں ایسے گھر گئے ہیں کہ اپنی ذاتی کسبِ معاش کے لیے زمین میں کوئی دوڑ دھوپ نہیں کر سکتے۔ اُن کی خودداری کو دیکھ کر ناواقف آدمی گمان کرتا ہے کہ یہ خوش حال ہیں۔ تم اُن کے چہروں سے اُن کی اندرونی حالت پہچان سکتے ہو۔ مگر وہ ایسے لوگ نہیں ہیں کہ لوگوں کے پیچھے پڑ کر کچھ مانگیں۔

مذکورہ بالا احادیث میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ہدایت فرمائی ہے اس کے مطابق مدد و اعانت کے یہ لوگ زیادہ حقدار ہیں جن کا آیت محولہ بالا میں ذکر ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ "مسکین وہ نہیں جو لوگوں کے ارد گرد گھومتا پھرے اور ایک لقمہ یا دو لقمے یا ایک کھجور یا دو کھجوریں اسے لوٹا دیں، بلکہ مسکین وہ ہے جو اپنی حاجت بھر مال نہیں پاتا اور نہ پہچانا جاتا ہے کہ اس کی مدد کی جائے اور نہ کھڑا ہو کر لوگوں سے مانگتا ہے۔" یہی وہ مسکین ہے جو باوجود اس کے کہ لوگ اُسے درخورِ اعتناء نہ سمجھتے ہوں اور اسے پہچانتے بھی نہ ہوں، مدد و اعانت کا مستحق ہے۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی توجہ اُن کی طرف مبذول کرائی ہے۔ ان میں اکثریت اُن لوگوں کی ہے جو گھر والے ہیں، خود دار گھرانوں سے تعلق رکھتے ہیں، مگر اُن پر تنگی کا وقت آگیا ہے یا عاجزی و درماندگی انہیں لے بیٹھی ہے یا ان کے مال میں قلت اور عیال میں کثرت ہو گئی ہے یا کام کاج اور محنت مزدوری سے انہیں اتنی آمدنی نہیں ہوتی کہ اُن کی جائز ضروریات کو پورا کر سکے۔

امام حسن بصریؒ سے اُس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس کا مکان بھی ہو اور ایک خادم بھی کہ کیا وہ زکوٰۃ لے لے؟ آپ نے جواب دیا کہ ہاں اگر وہ ضرورت مند ہو تو لے لے۔ کوئی حرج نہیں[1]۔

امام احمد بن حنبل سے ایک شخص کے متعلق پوچھا گیا کہ اگر اس کی کوئی غیر منقولہ ملکیت ہو جس سے اُسے آمدنی ہوتی ہو یا دس ہزار درہم یا اس سے کم و بیش کی کوئی جائداد ہو مگر اس کی آمدنی سے اُس کی ضروریات پوری نہ ہوتی ہوں تو کیا وہ زکوٰۃ لے سکے؟ آپ نے فرمایا: "وہ زکوٰۃ میں سے کچھ رقم لے سکتا ہے[2]۔"

شوافع کا کہنا ہے کہ اگر کسی آدمی کے پاس کوئی غیر منقولہ جائیداد ہو مگر اس کی آمدنی اس کی ضرورت سے کم رہ جاتی ہو تو وہ فقراء و مساکین کے زمرے میں آئے گا اور اُسے زکوٰۃ میں سے اتنا مال دیا جائے گا کہ اُس کی ضرورت پوری ہو جائے اور وہ اس بات کا مکلف نہیں کہ اپنی جائیداد بیچ دے[3]۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی آدمی کے پاس زکوٰۃ کے نصاب یا اس سے زیادہ دولت ہو اور موزوں و مناسب گھر اور خادم بھی ہو تو کثرتِ عیال کی وجہ سے اُسے زکوٰۃ دینا جائز ہے[4]۔"

---

[1] الاموال لابی عبید ص۔ ۵۵۶۔ [2] المغنی مع الشرح الکبیر ج ۲، ص: ۵۲۵۔

[3] المجموع: ج ۶ ص ۱۹۲ [4] شرح الخرشی او حاشیہ العدوی علی خلیل، ج ۲ ص ۲۸۰۔

احناف اس بات کے قائل ہیں کہ اگر ایسے آدمی کو زکوٰۃ دے دی جائے جس کے پاس رہنے کے لیے جگہ ہو، گھر میں ضرورت کی ہر چیز، خادم، گھوڑا، اسلحہ، تن کے کپڑے وغیرہ موجود ہوں، اور اگر وہ اہلِ علم میں سے ہو تو کتابیں بھی موجود ہوں، پھر بھی اس کو زکوٰۃ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ وہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی اس روایت سے استدلال کرتے ہیں جس میں انہوں نے فرمایا ہے کہ "جو آدمی گھوڑا، ہتھیار، خادم اور مکان کی شکل میں دس ہزار درہموں کا مالک ہوتا تھا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اُسے بھی زکوٰۃ دے دیا کرتے تھے"۔ اس لیے کہ یہ چیزیں تو انسان کی وہ لازمی ضروریات ہیں جن کے بغیر چارہ نہیں۔ لہٰذا زکوٰۃ کے استحقاق کے معاملے میں ان کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔[1]

معلوم ہوا کہ زکوٰۃ صرف اُس نادار اور محتاج کے لیے نہیں ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو یا وہ کسی شے کا مالک نہ ہو بلکہ اُس شخص کو بھی دی جا سکتی ہے جس کے پاس اتنا مال ہو کہ کسی حد تک اُس کی ضرورت پوری ہو سکے مگر اتنا نہ ہو کہ اُس سے اس کی تمام ضرورتیں پوری ہو جائیں۔

کمانے پر قدرت رکھنے والے کے لیے زکوٰۃ میں کوئی حصہ نہیں جب زکوٰۃ و صدقات کے استحقاق کا دارومدار ضرورت ـــ فرد کی اپنی اور اس کے کنبے کی ضروریاتِ زندگی ـــ پر ہے تو پھر کیا اگر کوئی بیکار آدمی سوسائٹی پر بوجھ بن کر صدقات و خیرات کے سہارے زندگی بسر کر رہا ہو درآنحالیکہ وہ تندرست و توانا ہو اور کمانے پر قدرت رکھتا ہو اور کوئی کام یا کاروبار کر کے اپنے آپ کو دوسروں کی مدد سے بے نیاز کر سکتا ہو، تو اُسے زکوٰۃ دی جائے گی؟ بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہے کہ زکوٰۃ بیکاری کی ترغیب دینے والی اور کسل مندا ور ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے والوں کی حوصلہ افزائی کرنے والی ہے۔ مگر اسلام کے اصول کچھ اور فیصلہ دیتے ہیں۔ کام کرنے کی قدرت رکھنے والے ہر شخص پر یہ فرض ہے کہ وہ کام کرے، اپنے کام میں ترقی کے لیے ہاتھ پاؤں مارے، اور اپنے ہاتھ کی محنت اور پیشانی کے پسینے سے روزی کما کر اپنی ضروریات پوری کرے۔ صحیح حدیث میں وارد ہے کہ "کسی شخص نے اپنے ہاتھ سے کما کر کھانے سے بہتر کبھی کوئی کھانا نہیں کھایا"۔[2] یہی وجہ ہے

۱۔ بدائع الصنائع للکاسانی، ج ۲ صفحہ ۴۸۔

۲۔ بخاری اور الترغیب والترہیب از منذری۔

کہ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری وضاحت اور صراحت سے فرمایا ہے کہ "صدقہ وغیرہ کسی مالدار، طاقت ور اور سلیم الاعضاء شخص کے لیے جائز نہیں[1]" جسمانی قدرت اور بدنی طاقت بالکل بے معنی ہے جب تک اُن سے کام لے کر رزق و روزی نہ کمائی جائے کیونکہ قوت بغیر کام کے ننگے کو کپڑا نہیں پہنا سکتی اور بھوکے کو کھانا نہیں کھلا سکتی۔ البتہ جیسا کہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں "اگر کسی محنت مزدوری کرنے والے کو کوئی کام نہ ملے تو اس کے لیے زکوٰۃ جائز ہے کیونکہ وہ عاجز ہے[2]"۔

اُوپر جو حدیث مذکور ہوئی ہے اس میں صرف طاقت ور اور سلیم الاعضاء کے الفاظ پر اکتفا کیا گیا ہے مگر ایک دوسری حدیث میں طاقت کے ساتھ اکتساب (محنت مزدوری کرنا) کا بھی اضافہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ عبید اللہ بن عدی بن خیار سے روایت ہے کہ دو آدمیوں نے انہیں بتایا کہ وہ صدقہ وغیرہ مانگنے کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ نے انہیں دیکھا کہ وہ دونوں تندرست و توانا ہیں۔ آپ نے انہیں فرمایا: "اگر تم چاہو تو میں تمہیں زکوٰۃ دے دیتا ہوں۔ مگر یاد رکھو کہ مالدار، طاقت ور اور محنت مزدوری کر سکنے والے کے لیے زکوٰۃ میں کوئی حصہ نہیں"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں "اگر تم چاہو" کے الفاظ اس لیے استعمال فرماتے تھے کہ آپؐ ان کے اندرونی حالات سے واقف نہیں تھے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ بظاہر تو قوی الجثہ اور طاقت ور ہوں مگر فی الواقع انہیں کوئی کام نہ ملتا ہو، یا ملتا ہو تو اُس سے اُن کی ضرورت کے مطابق آمدنی نہ ہوتی ہو۔

اس حدیث سے عُلماء نے استدلال کیا ہے کہ حاکمِ وقت یا صاحبِ مال شخص کو یہ چاہیے کہ وہ اُس زکوٰۃ لینے والے کو وعظ و نصیحت کریں جس کی حقیقتِ حال سے وہ ناواقف ہوں اور رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوۂ حسنہ پر عمل کرتے ہوئے اُسے بتائیں کہ مالدار اور محنت مزدوری کر سکنے والے کے لیے زکوٰۃ کا لینا جائز نہیں[3]۔ یہاں محنت مزدوری سے مراد یہ ہے کہ محنت مزدوری کر کے حسبِ ضرورت کمایا جا سکتا ہو۔ اگر کوئی شخص محنت مزدوری کرنے کے باوجود حسبِ کفایت نہیں کما سکتا تو وہ زکوٰۃ کا استحقاق رکھتا ہے۔ صرف کسی کام اور کسب سے

---

[1] ترمذی [2] المجموع، ج ۶، ص ۱۹۱۔

[3] نیل الاوطار، ج ۴ ص ۱۷۰۔

عاجز ہونا استحقاقِ زکوٰۃ کے لیے کوئی شرط نہیں ہے کہ زکوٰۃ صرف اپاہجوں، مریضوں اور کام کی طاقت نہ رکھنے والوں کے لیے ہی مخصوص ہو۔ بلکہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ تو فرماتے ہیں کہ کام کے قابل ہونے کے معاملہ میں قابلِ لحاظ بات یہ بھی ہے کہ آدمی کو کام اس کے شایانِ شان مل رہا ہو۔ ورنہ جو کام اس کے شایانِ شان نہ ہو وہ اگر مل بھی سکتا ہو تو وہ نہ ملنے کے مترادف ہے[1]۔ مثلاً ایک اچھے تعلیم یافتہ آدمی سے ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ تمہیں حمالی کا کام تو مل سکتا ہے، لہٰذا تم بے روزگار نہیں ہو اور زکوٰۃ میں تمہارا کوئی حق نہیں ہے۔ طاقت ور اور صحیح الاعضاء پر زکوٰۃ حرام ہونے کی جو حدیث اوپر مذکور ہوئی ہے اس کا اطلاق دراصل اُس طاقت ور پر ہوتا ہے جو باوجود اس کے کہ اُسے شایانِ شان کام کے مواقع میسر ہوں، بیکاری کو ایک خوشگوار مشغلہ سمجھتا ہو۔

حاصلِ کلام | جو شخص کما کر کھانے کی طاقت رکھتا ہے، شریعت اس سے یہ چاہتی ہے کہ وہ کام کرے تاکہ خود کفیل ہو سکے۔ اور جو کسی ذاتی کمزوری مثلاً صغر سنی، نسوانیت، ضعیف العقلی، کبر سنی، آفت رسیدگی اور کسی بیماری کی بنا پر کام کرنے سے عاجز ہو، یا اگر کام کر سکتا ہو تو اپنے شایانِ شان کمائی کا کوئی حلال ذریعہ نہ پاتا ہو، یا اگر پاتا ہو تو اس سے آمدنی اتنی تھوڑی ہو کہ اس کو اور اس کے خاندان کو کفایت نہ کر سکے، یا کسی حد تک تو کفایت کر سکے مگر پوری طرح کفایت نہ کر سکے، اس کے لیے زکوٰۃ لینا جائز ہے۔ اللہ کے دین میں ایسے شخص پر زکوٰۃ لینا کوئی گناہ نہیں۔ یہ تو ہیں اسلام کی وہ روشن تعلیمات جن میں عدل و احسان یا عدل و رحمت دونوں موجود ہیں۔ رہا مادہ پرستوں کا یہ اصول کہ "جو کام نہیں کرتا وہ کھانے کا بھی نہیں"، تو یہ اصول غیر فطری، غیر اخلاقی اور غیر انسانی ہے۔ ان مادہ پرستوں سے تو جانور اور حیوانات بہتر ہیں جن کی بعض قسمیں ایسی ہیں کہ ان میں سے طاقت ور کمزور کو اٹھاتا ہے اور قدرت و طاقت رکھنے والا عاجز و درماندہ کی حفاظت و نگہداشت کرتا ہے۔ کیا انسان ان چوپایوں کے مرتبے کو بھی نہیں پہنچ سکتا؟

ہمہ وقتی عبادت گزار زکوٰۃ نہ لے | واقعی بہت خوب ہے جو اس ضمن میں فقہائے اسلام نے فرمایا ہے کہ اگر کام کرنے کی قدرت رکھنے والا شخص کسبِ حلال کی کوشش چھوڑ کر اپنے آپ کو عبادتِ الٰہی مثلاً صوم و صلوٰۃ وغیرہ کے لیے وقف کر دے تو اُسے زکوٰۃ نہ دی جائے، کیونکہ اُسے تو یہ حکم دیا گیا ہے

---

[1] المجموع: ج ۶، ص ۱۹۰۔

کہ وہ کام کرے اور تلاشِ معاش میں زمین کے اطراف و اکناف میں پھرے۔ اسلام میں ترکِ دنیا کی کوئی حوصلہ افزائی نہیں کی گئی ہے، نہ عبادت اس لیے ہے کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر آدمی بس عبادت ہی کرتا رہے۔ کمانے کے لیے کام کرنا نفلی عبادات سے افضل ہے بشرطیکہ نیت نیک ہو اور حدود اللہ کی پابندی کی جائے۔

ہمہ وقتی طالب علم زکوٰۃ لے لے جب کوئی شخص نفع بخش علم کو حاصل کرنے کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دے اور کسبِ رزق اور طلبِ علم ایک ساتھ مشکل ہو تو اسے مالِ زکوٰۃ سے اتنا دے دیا جائے جو اُسے اپنی تعلیم مکمل کرنے میں مدد دے سکے اور جس سے اُس کی ذاتی اور تعلیمی ضرورتیں پوری ہو جائیں۔ طالب علم کو اس لیے بھی مالِ زکوٰۃ دینا چاہیے کہ وہ قوم کی طرف سے فرضِ کفایہ ادا کرتا ہے اور اس کے علم کا نفع اس کی اپنی ذات تک محدود نہیں رہتا بلکہ ساری قومِ مسلم اُس سے نفع اندوز ہوتی ہے۔ لہٰذا ایسے شخص کا حق ہے کہ مالِ زکوٰۃ میں سے اُس کی مدد کی جائے۔ کیونکہ زکوٰۃ دو شخصوں میں سے ایک کے لیے ہوتی ہے۔ یا تو اُس شخص کے لیے جو مسلمانوں میں سے محتاج و تنگ دست ہو، یا پھر اس شخص کے لیے جس کی خدمات کی مسلمانوں کو ضرورت ہو۔ طالب علم میں یہ دونوں باتیں پائی جاتی ہیں۔

بعض فقہا نے زکوٰۃ کے مستحق طالب علم کے لیے یہ شرط بھی لگائی ہے کہ وہ ذہین ہو اور اُس سے یہ اُمید کی جا سکتی ہو کہ وہ علم میں مہارت اور برتری حاصل کرے گا اور اُمتِ مسلمہ کو اُس سے فائدہ پہنچے گا۔ بصورتِ دیگر سبب ضرورتِ تعلیم حاصل کرنے کے بعد جب وہ کما کر کھانے پر قادر ہو جائے تو زکوٰۃ لینے کا مستحق نہیں ہوگا۔ اور یہ بھی بالکل صحیح بات ہے۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے زکوٰۃ اسی حالت میں صرف کرنی چاہیے جب طالب علم اُس کا اہل ہو۔ بلکہ جو طالب علم ایک اچھا محقق بن سکتا ہو تو اسے علمی تحقیقات کی ضرورتیں فراہم کرنے پر بھی زکوٰۃ صرف کی جا سکتی ہے۔

زکوٰۃ سے فقیر یا مسکین کو کس قدر دیا جائے ضروری ہے کہ ہم یہاں اس اہم سوال کا جواب بھی دیں تاکہ ہماری آنکھوں کے سامنے اسلامی زکوٰۃ کی صحیح اور مکمل تصویر آجائے اور ہمیں معلوم ہو جائے کہ فقر و تنگ دستی کا مقابلہ کرنے میں زکوٰۃ کیا مؤثر کردار ادا کرتی ہے۔ اس سوال کے جواب کو اہمیت دینے کی وجہ یہ ہے کہ عامۃ الناس، قطع نظر اس سے کہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم، اِس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ فقیر زکوٰۃ میں سے چند

درہم، چند لپیں اناج یا چند روٹیاں لیتا ہے اور اپنے لیے سدِ رمق کا سامان کر لیتا ہے۔ یا اُن سے چند دن، ایک مہینہ یا دو مہینے اپنی ضرورت پُوری کرتا ہے، اس کے بعد پھر وہ فاقہ مست اور تہی دست رہتا ہے اور ہمیشہ مدد کے لیے ہاتھ پھیلاتا رہتا ہے۔ یُوں زکوٰۃ اُن مسکّن گولیوں کے مشابہ ہو جاتی ہے جو ایک محدود عرصے تک مریض کو آرام پہنچاتی ہیں، نہ کہ اُن تیر بہدف ادویہ کے مشابہ جو تکالیف اور امراض کو بیخ و بُن سے اکھاڑ پھینکتی ہیں۔

ہم اس سلسلے میں احکامِ اسلام اور فقہاء کے مذاہب کا مطالعہ کرنے کے بعد واضح کریں گے کہ زکوٰۃ کے بارے میں مذکورہ بالا خیال جو لوگوں کے ذہنوں پر چھایا ہوا ہے اس کی حیثیت شریعتِ اسلامی کی رُو سے ایک بے بنیاد وہم کے سوا کچھ بھی نہیں۔

پہلا مذہب | اس سلسلے میں فقہاء کے مختلف مذاہب میں سے اسلام کے احکام و نصوص سے قریب ترین مذہب یہ ہے کہ فقیر کو اتنا دو جو اس کے فقر و فاقہ بلکہ فقر و فاقہ کے اسباب کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے اور وہ دوبارہ زکوٰۃ کا محتاج نہ ہو۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ "المجموع" میں فرماتے ہیں:

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ فقیر و مسکین کو دیئے جانے والے مالِ زکوٰۃ کی مقدار کیا ہو؟ ہمارے عراقی اور بہ کثرت خراسانی اصحاب کہتے ہیں کہ "ان دونوں کو اتنا مال دیا جائے جو انہیں ضرورت و احتیاج سے نکال کر استغناء اور عدمِ احتیاج سے ہم کنار کر دے۔ مطلب یہ ہے کہ انہیں اتنا مال دیا جائے جو ہمیشہ کے لیے اُن کی ضرورتیں پُوری کرنے کے لیے کافی ہو۔" یہ امام شافعیؒ کے الفاظ ہیں اور امام موصوف کے اس قول کے حق میں مذکورۂ بالا اصحاب قبیصہ بن مخارق ہلالی رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ "سوال کرنا (ضرورت پڑنے پر مال وغیرہ مانگنا) صرف تین آدمیوں کے لیے جائز ہے ایک وہ جس پر کوئی دیت یا قرض پڑ گیا ہو اس کے لیے مانگنا جائز ہے یہاں تک کہ وہ اتنا مال حاصل کر لے کہ اس کی ضروریاتِ زندگی پُوری ہو جائیں یا فرمایا کہ قوتِ لایموت حاصل ہو جائے۔ دوسرا وہ جس کو کسی آفتِ ناگہانی نے آگھیرا ہو اور اس کا مال اس آفت کی نذر ہو گیا ہو تو اس کے لیے سوال کرنا جائز ہے یہاں تک کہ وہ اتنا مال حاصل کر لے کہ اس کی ضروریاتِ زندگی پُوری ہو جائیں یا فرمایا کہ وہ قُوتِ لایموت حاصل کر لے۔

تیسرا وہ جس پر فاقہ کشی کی نوبت آگئی ہو اور اس کی قوم میں سے تین دانا آدمی یہ شہادت دیں کہ واقعی اس پر فاقہ کشی کی نوبت آگئی ہے تو اس کے لیے سوال کرنا جائز ہے یہاں تک کہ وہ اتنا مال حاصل کرلے کہ اس کی ضروریاتِ زندگی پوری ہو جائیں یا فرمایا کہ وہ قوتِ لایموت حاصل کرلے۔ اُن کے سوا کسی قسم کا سوال کرنا اے قبیصہ! حرام ہے۔ جو کوئی اِس طرح مانگ کر کھاتا ہے وہ حرام کھاتا ہے۔ (صحیح مسلم)

ہمارے اصحاب کہتے ہیں کہ حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے ضرورت پوری کرنے کی حد تک سوال کرنے کی اجازت دی ہے، یہ ہماری بات کی ایک دلیل ہے۔ وہ کہتے ہیں اگر سائل عام طور پر کوئی دستکاری کرتا ہو تو اُسے اتنا مال دیا جائے کہ وہ اس سے اپنی دستکاری چلا سکے یا آلاتِ دستکاری خرید سکے خواہ اُن کی قیمت بہت کم ہو یا بہت زیادہ۔ آلاتِ دستکاری کے لیے دی جانے والی رقم اتنی ہو کہ اس کے نفع سے سائل کی ضروریاتِ زندگی قریب قریب پوری ہو جائیں۔ یہ رقم دست کاریوں کی نوعیت، زمان و مکان اور افراد و اشخاص کے مختلف ہونے کے لحاظ سے گھٹ بڑھ سکتی ہے۔ تاہم ہمارے کچھ اصحاب نے متعین طور پر کہہ دیا ہے کہ ایسا سائل جو سبزی ترکاری بیچتا ہو اُسے پانچ یا دس درہم دیئے جائیں۔ اور جو جوہری ہو اُسے دس ہزار درہم دیئے جائیں، کیونکہ اس سے کم رقم لگانے سے اُسے حسبِ ضرورت نفع حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور جو تاجر، نانبائی، عطّار یا صرّاف ہو تو اُسے اپنے پیشے کی نسبت سے دیا جائے۔ اور جو درزی، بڑھئی، دھوبی یا قصّاب یا ان کے علاوہ کوئی اور اہلِ صنعت ہو اُسے اتنا مال دیا جائے جس سے وہ اپنے کام کے آلات و اوزار خرید سکے۔ اور اگر وہ کاشتکار ہو تو اُسے زکوٰۃ کی مد سے اتنی رقم دی جائے جس سے وہ کوئی قطعہ اراضی خرید کر اس میں کھیتی باڑی کر سکے اور اس کی پیداوار سے ہمیشہ اُس کا گزارہ چلتا رہے۔ لیکن اگر سائل کوئی دستکار نہ ہو اور کوئی کام بھی اچھی طرح نہ کر سکتا ہو، نہ اُسے تجارت کی شُدبُد ہو اور نہ کسی کسب سے کوئی واقفیت رکھتا ہو تو اُسے سال بھر کے لیے کچھ دینے کے بجائے اتنی عمر کے لیے کافی مال دے دیا جائے جتنی عمر کہ عام طور پر سائل کے علاقے میں اُس جیسے لوگ پاتے ہیں۔ مثلاً اُسے اتنی رقم دے دی جائے جس سے وہ کوئی جائیداد (مکان یا دکان یا زمین وغیرہ) خرید کر کرائے پہ دے دے اور اس کرائے سے اپنی ضروریاتِ زندگی پوری کرتا رہے۔

یہ تو تھا امام شافعی اور اُن کے اصحاب کا مذہب۔ امام احمد بن حنبلؒ سے بھی روایت کی گئی ہے کہ انہوں نے اجازت دی ہے کہ فقیر تجارتی سامان یا صنعتی اوزار وغیرہ کی شکل میں ہمیشہ اپنے گزارے کے لیے کچھ لے سکتا ہے۔ حنبلی مذہب کے چند علماء نے اس روایت کو اختیار کیا ہے[1]۔

یہ باتیں ہم اپنی طرف سے نہیں کہہ رہے بلکہ ائمۂ مجتہدین اور فقہائے دینِ متین اسلام کے احکام و قواعد کی نصوصِ صریحہ سے استناد کرتے ہوئے کہہ رہے ہیں۔ اور یہ باتیں فقر و فاقہ کو ختم کرنے اور زکوٰۃ دے کر فقیر کو امیر کرنے میں اسلام کے مقاصد کی وضاحت و صراحت میں مہرِ نیمروز سے بھی زیادہ روشن ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی پالیسی فقراء و مساکین کے بارے میں اس پُر از حکمت اصول پر مبنی تھی کہ اِذَا اعطیتم فاغنوا "جب تم فقیر و مسکین کو کچھ دو تو اُسے بے نیاز کر دو[2]"۔ چنانچہ جب آپ کے پاس کوئی مستحق فقیر یا مسکین آتا تو آپ اُسے زکوٰۃ دے کر مالدار کر دیتے تھے نہ کہ محض سدِّ رمق کے لیے چند لقمے یا ذرا سنبھالا دینے کے لیے چند درہم عطا کرنے پر اکتفا کرتے تھے۔

ایک دفعہ ایک شخص اپنی بدحالی کی شکایت لے کر آپؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اُسے فقر و افلاس سے بچانے کے لیے تین اونٹ عطا کیے۔ اس وقت اُونٹ سب سے زیادہ نفع بخش اور نفیس ترین مال سمجھا جاتا تھا۔ آپؓ نے صدقات وغیرہ کی تقسیم کرنے والے افسروں سے فرما رکھا تھا کہ "مستحق فقراء و مساکین کو بار بار صدقہ دو اگرچہ اُن میں سے کسی ایک کے پاس سو اُونٹ ہو جائیں"۔ اور فقراء کے بارے میں اپنی پالیسی کا اعلان کرتے ہوئے آپ نے فرمایا تھا "میں مستحق فقراء و مساکین کو بار بار صدقہ دوں گا اگرچہ اس طرح اُن میں سے کسی کے پاس سو اُونٹ چلے جائیں[3]"۔

مشہور فقیہ اور جلیل القدر تابعی عطاء فرماتے ہیں "اگر کوئی شخص مسلمانوں کے کسی ایک ہی مستحق کنبہ کے اہلِ خانہ کو اپنے مال کی زکوٰۃ دے کر اُن کے آرام و آسائش کا سامان کر دے تو اس کا یہ عمل میرے نزدیک

---

[1] الانصاف، ج: ۲، ص ۲۳۸۔

[2] الاموال لابی عبید ۵۶۵۔

[3] الاموال ص: ۵۶۵۔

سب سے زیادہ پسندیدہ ہوگا۔[۱]

حضرت امام ابو عبید القاسم بن سلام جو کہ اسلام کی مالی فقہ میں حجت سمجھے جاتے ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب الاموال میں حضرت عطا رضی اللہ عنہ کے مذکورہ بالا قول کو قابلِ ترجیح فرمایا ہے۔

دوسرا مذہب مالکیہ، حنابلہ اور بعض دوسرے فقہاء اس بات کے قائل ہیں کہ فقیر اور مسکین کو زکوٰۃ میں سے اتنی رقم دی جائے جس سے ان کا اور ان کے اہل وعیال کا ایک سال تک گذارہ ہو سکے۔ ان اصحاب کی رائے یہ ہے کہ اتنی رقم دینے کی کوئی ضرورت نہیں جو عمر بھر کے لیے کافی ہو۔ اسی طرح وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ سال بھر کے گزارے سے کم رقم نہیں دینی چاہیے۔ ان لوگوں نے گزارے کی حد ایک سال مقرر کر دی ہے۔ کیونکہ عام طور پر اوسطاً جتنی مدت کے گزارے کے لیے رقم یا غلہ وغیرہ جمع کیا جاتا ہے وہ ایک سال ہی ہے۔ چنانچہ صحیحین کی ایک روایت میں ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہل وعیال کے لیے ایک سال کی خوراک ذخیرہ کی۔ زکوٰۃ چونکہ سال بہ سال ادا کی جاتی ہے اس لیے عمر بھر کے گزارے کے لیے رقم دینے میں کوئی تک نہیں۔ ہر سال زکوٰۃ کے وسائل سے نئی آمدنی ہو جاتی ہے۔ جو شخص پہلے سال زکوٰۃ کا مستحق تھا اور اگر پھر مستحق رہے تو پھر ایک سال کے لیے اسے زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔ اس مذہب کے قائلین کی رائے میں سال بھر کے گزارے کی رقم کی کوئی مقررہ حد نہیں کہ وہ اتنے درہم یا اتنے دینار ہوں بلکہ مستحقِ زکوٰۃ کو سال بھر کا خرچہ دیا جائیگا خواہ وہ کتنی بھی رقم ہو جاتے۔ اگر کسی فقیر یا مسکین کا سال بھر کا گزارہ صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہو کہ اُسے نقدی، زمین وغیرہ یا ڈھور ڈنگر کی صورت میں نصاب سے بھی زیادہ دے دیا جائے تو اُسے زکوٰۃ میں سے اتنا دے دینا چاہیے خواہ وہ اس طرح مالدار بن جائے۔ اس لیے کہ زکوٰۃ وصول کرتے وقت تو وہ مستحقِ زکوٰۃ فقیر تھا۔[۲]

چند اور مصارفِ زکوٰۃ ہمارے نزدیک یہ بات یقیناً قابلِ تعریف ہو گی اگر علمائے اسلام اپنی توجہ اس طرف مبذول کریں کہ خورد و نوش اور لباس وغیرہ ہی انسانی ضروریات نہیں ہیں بلکہ انسان کے اندر اور بھی بہت سے جذبات ہیں جو اس سے باصرار اس بات کا مطالبہ کر رہے ہوتے ہیں کہ اُن کی تسکین کی جائے۔ ان میں سے

---

[۱] الاموال ص ۵۶۶ - [۲] شرح الخرشی علی متن خلیل ج ۲ ص: ۲۱۵ -

ایک جذبہ جنس (جبلتِ جنسی) ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ایک کوڑا بنایا ہے جس کی چوٹ انسان کو مجبور کرتی ہے کہ وہ زمین کی آبادی اور نسلِ انسانی کے بقا کے سلسلے میں منشائے الٰہی کو پورا کرے۔ اسلام اس جبلت کو بالکل دبا دینے کے حق میں نہیں ہے بلکہ وہ شرعی حدود کے اندر اس کی تسکین کے لیے نکاح کا حکم دیتا ہے۔ اس نے تجرّد کی زندگی اور خصّی ہو جانے اور جبلتِ جنسی کو دبانے کی ہر صورت سے منع کیا ہے اور جو شخص ازدواجی زندگی کی ذمہ داریوں کو پورا کر سکتا ہو اُسے نکاح کی تاکید کی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج فانہ اغض للبصر و احصن للفرج (تم میں سے جو نکاح کی قدرت رکھتا ہو اسے نکاح کرنا چاہیے کیونکہ یہ نظر اور شہوت کی حفاظت رکھتی ہے۔ پس یہ بات باعثِ تعجب نہیں ہونی چاہیے کہ اسلام میں اُن لوگوں کی مدد کرنا ضروری ہے جو شادی کرنے کے خواہشمند ہوں مگر اس کے اخراجات پورے ادا کرنے سے عاجز ہوں۔ اور یہ بھی کوئی تعجب بات نہیں ہونی چاہیے کہ علماء اس مصرف میں زکوٰۃ کا مال خرچ کرنے پر اتفاق کریں، کیونکہ اس کے لیے نظائر موجود ہیں۔ ابو عبید نے کتاب الاموال میں روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عاصی کی شادی کردی اور اُس کو ایک ماہ تک بیت المال سے خرچ دیتے رہے۔ خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیز نے ایک شخص کو حکم دے رکھا تھا جو اُن کی طرف سے ہر روز یہ منادی کرتا تھا کہ کہاں ہیں مساکین؟ کہاں ہیں قرضدار؟ کہاں ہیں نکاح کرنے والے (جو نکاح کرنا چاہتے ہیں)؟ اور کہاں ہیں تیامیٰ؟ کہ میں اُن میں سے ہر ایک کو غنی کر دوں۔

اس سلسلے میں بنیادی بات تو وُہ ہے جسے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص نے آکر کہا "میں نے ایک انصاری عورت سے نکاح کر لیا ہے"۔ آپؐ نے دریافت فرمایا "کتنے مہر پر تو نے اُس سے نکاح کیا ہے؟" اُس نے کہا "چار اوقیہ پر"۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "چار اوقیہ پر؟ تم تو سمجھتے ہو کہ اس پہاڑ کے پہلو سے چاندی کاٹ لاؤ گے۔ ہمارے پاس کچھ نہیں ہے جو تمہیں دے سکیں، مگر ہاں، یہ ہو سکتا ہے کہ ہم تمہیں کسی مہم پر بھیجیں اور تمہیں اس سے کچھ ہاتھ آجائے"[1] یہ حدیث اس بات

---

[1] نیل الاوطار ج ۶ صفحہ ۱۶۴ پر لکھا ہے کہ اوقیہ اُس وقت چالیس درہم کے برابر ہوتا تھا اور پھر پانچ یا دس درہم کی ہونی تھی لہٰذا یہ مقدار اس آدمی کے لیے زیادہ تھی جو شادی کے اخراجات کے سلسلے میں مدد مانگنے کے لیے آیا تھا۔

پر دلالت کرتی ہے کہ شادی کے لیے لوگوں کو کچھ دینا اُس زمانے میں معروف و مشہور تھا، اسی لیے تو آپؐ نے اس شخص سے یہ نہیں فرمایا کہ اس مقصد کے لیے تم کسی مدد کے مستحق نہیں ہو بلکہ یہ فرمایا کہ ہمارے پاس کچھ نہیں ہے جو تمہیں دے سکیں اور اس کے ساتھ ہی اُسے دوسرا ذریعہ مہیا کرنے کی کوشش کی۔

اسی طرح طلبہ اور اہلِ علم کے لیے علمی کتابیں بھی ضروریاتِ زندگی میں سے ہیں، بلکہ عام آدمی بھی اگر علم حاصل کرنا چاہتا ہو تو اسے زکوٰۃ کی مد سے کتابیں مہیا کی جانی چاہییں۔ اسلام ایک ایسا دین ہے جو عقل و دانش کو مکرّم و معظم سمجھتا ہے، علم حاصل کرنے کی دعوت دیتا ہے، علماء کے مقام کو رفعت عطا کرتا ہے، علم کو ایمان کی کلید اور عمل کا رہنما کہتا ہے، اور علم کے بغیر ایمان اور عبادت کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ قرآن میں واضح طور پر ارشاد ہے کہ هَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ؟ (کیا علم رکھنے والے اور علم سے بے بہرہ لوگ برابر ہیں؟) جاہل اور عالم اور جہالت اور علم کے درمیان خطِ امتیاز کھینچتے ہوئے قرآن مجید کہتا ہے کہ وَمَا یَسْتَوِی الْاَعْمٰی وَالْبَصِیْرُ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ (بینا اور نابینا برابر نہیں ہوسکتے اور نہ تاریکیاں اور نور برابر ہوسکتے ہیں)۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ یہاں علم سے مُراد صرف علمِ دین ہی نہیں بلکہ ہر وہ علمِ نافع بھی ہے جس کی مسلمانوں کو اپنے دنیاوی معاملات میں ضرورت پیش آتی ہو۔ کیونکہ امام غزالی اور شاطبی وغیرہ نے ایسے نفع بخش علم کو سیکھنا فرض کفایہ قرار دیا ہے۔

لہٰذا یہ امر کوئی باعثِ تعجب نہیں ہونا چاہیے کہ فقہائے اسلام نے احکام زکوٰۃ کے سلسلے میں یہ بھی فرماتے ہیں کہ جس شخص نے محض حصولِ علم کی خاطر اپنے آپ کو دوسرے سب کاموں سے فارغ کرلیا ہو اُسے زکوٰۃ میں سے کتابوں اور دیگر ضروریاتِ زندگی کے لیے خرچ دے سکتے ہیں، مگر جو شخص محض عبادت کے لیے فارغ ہو بیٹھا ہو اُسے زکوٰۃ نہیں دے سکتے، اس لیے کہ اسلام میں عبادت کیلیے اتنی فراغت کی ضرورت نہیں جتنی کہ علم اور اس میں مہارتِ تامہ حاصل کرنے کے لیے ہے۔ نیز عبادت کا فائدہ صرف عبادت گزار کو ہوگا۔ اور طالب علم کے علم کا فائدہ خود اُسے بھی ہوگا اور دوسرے تمام لوگوں کو بھی۔[1]

اسلام صرف اسی پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ فقہاء نے کہا ہے کہ حاجت مند کے لیے جائز ہے کہ وہ زکوٰۃ کے مال سے وہ علمی کتابیں بھی خریدلے، دین و دنیا کی بہتری کے لیے جن کی اُسے ضرورت ہو۔[2] (باقی)

۱؎ المجموع ج ۶ ص ۱۹۰   ۲؎ الانصاف فی الفقہ الحنبلی ج ۳ ص ۱۶۵، ۲۱۸۔